© rasailojaraid.com

صعالیک

شعرائے جاہلیت کا ایک نرالا طبقہ

(۲)

از مولانا عبدالحلیم ندوی ایم اے (علیگ) صدر شعبۂ عربی، جامعہ ملیہ اسلامیہ

برہان بابت ماہ دسمبر ۱۹۷۴ء میں مذکورہ بالاعنوان کے تحت "صعالیک الشعراء" میں ممتاز اور پرگو شاعر الشنفری کی زندگی، اس کے کلام کی امتیازی خصوصیات اور مختلف اصنافِ سخن میں اس کے کلام کا نمونہ پیش کیا گیا تھا۔ آج کی صحبت میں اس کے ان دو مشہور قصیدوں کا تجزیہ پیش کیا جاتا ہے جن کا ذکر گذشتہ مضمون میں آچکا ہے۔ ان میں سے ایک کا مطلع ہے:

أَلَا أُمُّ عَمْرٍو أَجْمَعَتْ فَاسْتَقَلَّتِ ۔۔۔ وَمَا وَدَّعَتْ جِيرَانَهَا إِذْ تَوَلَّتِ

جاہلی شعراء کے تذکرہ نگار عام طور سے ان شعراء کے قصیدوں کی شان نزول یا ان کے کہنے کے محرک واقعات اور اسباب ضرور بیان کرتے ہیں۔ شنفری کے اس قصیدہ کی شانِ نزول میں بھی مختلف واقعات بیان کیے گئے ہیں جن میں سب سے معتبر اور اشعار کی فضا سے مطابق وہ شان نزول ہے جسے ابو محمد القاسم بن محمد بشار الانباری نے اپنے مرتب کیے ہوئے دیوان المفضلیات کی شرح میں بیان کی ہے۔ چنانچہ الانباری نے احمد بن عبید وغیرہ سے روایت کی ہے کہ اس قصیدہ کے کہنے کا سبب یہ ہوا کہ شنفری اپنے تیس ہم جولیوں کے ساتھ جن میں تأبط شراً بھی تھا، بنو سلامان بن مفرج پر، جو قبیلہ ازد (شنفری کا قبیلہ) کی ایک شاخ تھا، حملہ کرنے کی نیت سے نکلا۔ یہ لوگ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بنو سلامان کی جائے اقامت کے قریب مشعل نامی ایک وادی میں رات گذارنے کی نیت سے ٹھہرے۔ تھوڑی دیر میں انھوں نے بکری کے ممیانے کی آواز سنی اور سمجھ گئے کہ آس پاس کوئی آدمی بھی ضرور رہو گا۔ چنانچہ انھوں نے اپنی آنکھیں اس طرف لگا دیں۔ اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بھیڑیا بکری کی آواز سن کر ادھر چلا آرہا ہے۔ پاس آکر اس کو شکار کرنے کی غرض سے اس نے جو جست لگائی تو اس گڑھے میں گر پڑا جسے اس کو شکار کرنے کے لئے کھودا گیا تھا[1] یہ دیکھ کر یہ سب لوگ ادھر دوڑ پڑے۔ گڑھے کے قریب ابھی پہونچے ہی تھے کہ دیکھا کہ ایک آدمی بھی اس طرف دبے پاؤں رینگ رہا ہے۔ آدمی نے جب ان لوگوں کو اپنی طرف آتے دیکھا تو ڈر کے مارے اس کی روح فنا ہو گئی اور گھبراہٹ میں اس نے بھی اسی گڑھے میں چھلانگ لگا دی جس میں بھیڑیا گرا تھا۔ ان صعالیک نے جو یہ منظر دیکھا تو گڑھے کے اندر تیروں کی بارش شروع کر دی۔ آدمی تیروں کے زخم سے بیتاب ہو کر چلانے لگا تو تأبط شراً نے اس سے پوچھا کہ یہ تم چلا رہے ہو یا بھیڑیا۔ ابھی وہ بیچارا کچھ کہنے بھی نہ پایا تھا کہ ان لوگوں نے تیروں کی باڑھ اور تیز کر دی جس سے بھیڑیا اور آدمی دونوں مر گئے۔ جب گڑھے میں سے اس آدمی کو باہر نکالا گیا تو ان میں سے ایک آدمی نے اسے پہچان لیا اور کہا "ارے یہ تو ابن الافطس ہے"، ابھی خیریت ہے بھاگ نکلو ورنہ اس کے قبیلے والے ابھی ہم لوگوں کو دھر لیں گے اور اس حرکت کا مزہ چکھا دیں گے۔ چنانچہ یہ لوگ وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے اور ایک پہاڑ کے دامن میں جا کر پناہ لی[2]۔ ادھر مقتول کے قبیلہ والے اس کی چیخ سن کر اس طرف کو

ا۔ عرب شیر اور بھیڑئے کو شکار کرنے کے لئے ایک گڑھا کھود کر اسے گھاس پھوس سے بند کر دیتے تھے اور اس کے کنارے اس طرح بکری کو باندھتے تھے کہ اگر جانور جست لگائے تو سیدھا گڑھے کے اندر چلا جائے۔ عرب اس گڑھے کو "قترۃ" کہتے تھے۔

۲۔ غالباً پہاڑ کا یہ دامن "جباء" تھا جس کا ذکر شنفری نے "مشعل" وادی کے ساتھ اپنے ایک شعر میں کیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چل پڑے تھے اور سن گن پاکر وہ بھی پہاڑ کے دامن تک آگئے اور چاروں طرف سے ان سب کو گھیر لیا۔ جب شنفری اور اس کے ساتھیوں نے دیکھا کہ اب بھاگنے کی کوئی راہ نہیں ہے تو وہ بھی خم ٹھونک کر سامنے آگئے۔ اب کیا تھا دونوں پارٹیوں میں معرکہ گرم ہوگیا اور خاصی دیر تک جم کر مقابلہ ہوتا رہا جس کے نتیجہ میں دونوں فریقوں کو سخت زخم آئے اور بغیر ہار جیت کے فیصلے کے دونوں فریق نے اپنی اپنی راہ لی۔

ان صعالیک کے یہاں یہ رواج تھا کہ جب یہ لوگ غارت گری کرنے کے لئے نکلتے تو تأبط شراً کو کھانے پینے کی چیزوں کا ذمہ دار بنا دیتے تھے۔ چنانچہ اس معرکہ میں بھی حسب روایت تأبط شراً یہ ذمہ داری سنبھالے ہوئے تھا۔ تأبط شراً کی یہ عادت تھی کہ لڑائی کے موقعوں پر کھانا بہت ناپ تول کر دیتا تھا اور کہتا تھا کہ میں یہ حرکت بخل کی وجہ سے نہیں کر رہا ہوں بلکہ صرف اس خیال سے کہ کہیں لڑائی طول کھینچ گئی اور مال غنیمت نہ حاصل ہوا اور اپنا پس انداز بھی ختم ہوگیا تو تم لوگ بھوکوں مر جاؤ گے۔ چنانچہ اس موقعہ پر شنفری نے یہ قصیدہ کہا جس میں تأبط شراً کی اس مصلحت بینی اور دور اندیشی کی طرف اشارہ بھی کیا ہے۔

شنفری نے یہ قصیدہ جاہلی شعراء کی ریت کے مطابق اپنی محبوبہ ام عمرو سے اظہار تشبیب کے ساتھ شروع کیا ہے۔ اور حسین وچیدہ الفاظ اور بڑے ہی دلنشین انداز اور خوبصورت اسلوبِ بیان میں اس کا ایسا حسین اور دل آویز مرقع کھینچا ہے کہ دشمنِ دین وایمان بنا دیا ہے خود کہتا ہے کہ "لوجُنّ اِنسان من الحسن" یعنی اگر کوئی شخص ایک سراپائے حسن وجمال کو دیکھ کر ہوش وحواس اور عقل وخرد کو خیرباد کہہ سکتا ہے تو میری محبوبہ کا حسن برق پاش ایسا ہی غارت گرِ دین وایمان ہے۔ آگے جب اس کی شرم وحیا، عفت وعصمت کا ذکر کرتا ہے تو ایک بدوی دوشیزہ اپنی تمام رعنائیوں اور سحر خیزیوں کے ساتھ سامنے کھڑی ہوجاتی ہے اور

آشفتہ مزاجوں کو کبھی ناز سے دیکھا
گستاخ نگاہوں کو کبھی آنکھ دکھا دی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا سماں پیدا ہو جاتا ہے۔ اور جب وہ ست خرام ہوتی ہے تو ایسے ہولے ہولے نظریں نیچے گڑوئے کہ جیسے کوئی قیمتی شے کھو گئی ہو اور وہ اسے پگ پگ ڈھونڈھ رہی ہو۔ پھر اپنی تعریف میں چند اشعار کہتا ہے اور اس کے بعد تأبط شراً کی تعریف شروع کرتا ہے۔ اور اس کو "اُم عیال" (بچوں کی ماں)[1] سے تعبیر کرتا ہے۔ یہ اس وجہ سے کہ جس طرح ماں اپنے بچوں کے کھانے پینے اور آرام و آسائش کا خیال رکھتی ہے تأبط شراً بھی ان لوگوں کا ایسا ہی خیال رکھتا تھا۔ قصیدہ کے آخر میں شنفری نے اپنی عادات و اطوار اور خو بو بتائی ہے اور اس پر قصیدہ ختم کر دیا ہے۔

اس قصیدہ میں الانباری کی روایت کے مطابق ۳۴ شعر ہیں۔ اس کا مطلع ہے:

ألا أم عمرو أجمعت فاستقلتِ   وما ودّعت جیرانها إذ تولت

یعنی میری محبوبہ ام عمرو نے جب کوچ کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا تو اپنی پڑوسنوں سے رخصت ہوئے بغیر ہی چل کھڑی ہوئی۔

قصیدہ کو جاہلی شعراء کی ریت کے مطابق تشبیب سے شروع کرنے کے بعد چوتھے شعر سے اپنی محبوبہ کا بھرپور ذکر کرتا ہے اور بڑے اچھوتے اور دلنشین انداز سے اس کی پاکدامنی، اعلیٰ کردار، پاکیزہ اخلاق، شرم و حیا اور شوہر سے وفاداری اور اس کی دلداری کا نقشہ کھینچتا ہے۔ اور یہ سلسلہ تیرھویں شعر تک چلتا ہے۔ چنانچہ اس کی شرم و حیا کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچتا ہے "جب وہ باہر نکلتی ہے تو اس کے انداز بہت ہی بھلے لگتے ہیں کیونکہ وہ خوب ڈھکی چھپی رہتی ہے اور ادھر اُدھر تاک جھانک نہیں کرتی بلکہ اس طرح زمین میں نظریں گڑوئے چلتی ہے کہ جیسے کوئی قیمتی چیز کھو گئی ہو اور وہ اسے ہیر رہی ہو۔ اور اگر کہیں کسی سے بات بھی کرتی ہے تو ہکلاتی ہوئی سی، دو ایک جملے، کبھی ادھورے کبھی پورے۔

۱۔ قبیلہ ازد کے افراد اپنے سردار کو "اُم عیال" (یعنی بچوں کی ماں) کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ شنفری بھی ازدی تھا، اس لئے تأبط شرا کو "اُم عیال" کہتا تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لقد أعجبتني لا سقوطا قناعها ... اذا ما مشت، ولا بذات تلفّت

كأنّ لها في الارض نسيا تقصّه ... على امّها وان تكلّمك تبلت

اس کے بعد صرف ایک شعر میں اس کا پورا سراپا کھینچ کے رکھ دیتا ہے اور اس طرح سے کہ "جوانی سے طفلی گلے مل رہی تھی" کا ایسا سحر طراز سماں بندھ جاتا ہے کہ انسان اپنی سدھ بدھ کھو بیٹھتا ہے۔ اور پکار اٹھتا ہے کہ

ساغر کو میرے ہاتھ سے لینا کہ چلا میں

کہتا ہے کہ اس کا ناک نقشہ بڑا تیکھا ہے اعضا بڑے سبک، اخلاق وعادات بہت ہی پیارے، انداز و اطوار بڑے بانکے اور قد، قد رعنا، بس یوں سمجھو کہ قدرت کے معجز نما ہاتھوں نے نزاکت و بانکپن اور انداز دلربائی سے حسن وجمال کا ایک ایسا انمول مرقع گڑھ کے رکھ دیا ہے کہ اس پر بس ایک نظر پڑ جانا ہی عقل وخرد کھو دینے کے لئے کافی ہے۔

فدقّت وجلّت واسبكرّت واكملت ... فلو جُنّ إنسان من الحسن جنّت

ان سب صفات کے باوجود وہ سنگدل سخت کوش وتند خو نہیں ہے۔ بلکہ طرحداری کے ساتھ دلداری کے فن کو اور خاص طور سے میرے جیسے عاشق کے ساتھ خوب نباہنا جانتی ہے۔ چنانچہ اس نے ازراہ دلنوازی میرے ساتھ ایک ایسی مشک بیز اور معنبر ومعطر شام گزاری جس سے سارا ماحول خوشبوؤں کی لپیٹ میں بس گیا۔

فبتنا كأنّ البيت حُجّرَ فوقنا ... بريحانة ريحت عشاءً وطلّت

بريحانة من بطن حلية نوّرت ... لها أرج ما حولها غير مسنت

شنفری کے ان اشعار کی، عہد عباسی میں، خاص طور سے اتنی دھوم مچی کہ اس زمانے کا سب سے بڑا نقاد اور شعر و شاعری کا صاحب نظر عالم اصمعی بے اختیار پکار اٹھا کہ "معشوقہ کی شرم وحیا، اخلاق وعادات، حسن وجمال اور دلداری و دلنوازی کا نقشہ اس سے اچھا کسی جاہلی شاعر نے اب تک نہیں کھینچا ہے" (فٹ نوٹ ص بم کے نیچے)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پندرھویں شعر سے انیسویں شعر تک اپنی تعریف کرتا ہے جس میں اپنی بہادری جنگ جوئی اور معرکوں میں فتح وشکست کا خیال نہ کرنے کی عادت کا ذکر کرنے کے بعد وادی مشعل کے معرکہ کا ذکر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھ سے بڑی غلطی ہوگئی کہ صرف مال غنیمت کی لالچ میں آکر اپنے علاقے سے اتنی دور جاکر میں نے اپنے ساتھیوں کو معرکہ کارزار میں جھونک دیا اور اسی وجہ سے انھیں اپنے مقصد میں کامیابی نہ ہوسکی۔

خرجنا من الوادی الذی بین مشعل　　وبین الجبا هیہات أنشات سربتی

اس معرکہ میں وہ پیدل لڑا تھا۔ گھوڑے تو اول میسر کہاں پھر اسے ان کی ضرورت ہی کیا تھی۔ وہ توان سے بھی تیز دوڑ لیتا تھا۔ چنانچہ وہ اس سرزمین کی طرف باوجود دور ہونے کے صبح وشام پیدل چل کر باوجود تھکن اور پریشانی کے پہونچا تھا اور ننگے پاؤں حریف کے مقابلہ میں سینہ سپر ہوگیا تھا۔

أمش علی أین الغزاۃ وبعدها　　لقربنی فیہا رواحی وغدوتی

اس معرکہ میں حسب دستور تابط شراً سامان رسد کا انچارج تھا۔ چنانچہ انیسویں شعر سے اس کی تعریف شروع کرتا ہے اور کہتا ہے میرا سردار جسے "ام عیال" (بچوں کی ماں) کے لقب سے یاد کیا ہے اتنا دور اندیش ہمارا اتنا خیر خواہ اور اتنا منتظم آدمی ہے کہ ہم سب کو کھانا بہت ناپ تول کے دیتا تھا کیونکہ اسے ہر وقت یہ خطرہ لاحق رہتا تھا کہ اگر بے حساب بانٹ دوں

نٹ نوٹ متعلقہ ص ۳۹

۱۔ المفضلیات ص ۲۰۱ اصمعی نے شنفری کے ان اشعار کے مقابلہ میں ابوقیس بن الاسلت کے چند اشعار بھی نقل کئے ہیں جو اپنی جگہ پر بہت خوب ہیں مگر ان اشعار سے محبوبہ کے ناز ونعم سہیلیوں میں اس کی ماں وان اور اس سے ان کے تعلق کا صرف اظہار ہوتا ہے۔ شنفری کی محبوبہ میں جو صفات ہیں ان کا اظہار نہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گا تو کھانا کہیں ختم نہ ہو جائے اور بعد میں ہم سب کو بھوکا مرنا پڑے۔ ذرا دیکھو تو کیا ہی عمدہ ترکیب اس نے نکالی ہے۔

وأُم عيال" قد شهدت تقوتهم — إذا أطعمتهم أوتحتْ وأقلّت
تخاف علينا العيل إن هي أكثرت — ونحن جياع أي آلٍ تألّتِ

اس کے بعد تأبط شراً کی بہادری، اس کے لڑنے کے ڈھنگ، تلوار بازی کے گُر اور اس کی تلوار کی تعریف کرتا ہے اور کہتا ہے کہ تأبط شراً کی تلواریں بڑی تیز اور آبدار ہیں اور ایسے پکے اور نوکیلے لوہے کی بنی ہوئی ہیں کہ معرکہ میں دشمنوں کے خون سے سیراب ہونے کے بعد اس طرح چمچماتی ہیں جیسے ان بچھڑوں کی سفید دمیں چمکتی ہیں جو انھیں اٹھائے اپنی ماؤں کو دیکھ کر بے تحاشہ ان کی طرف کلیلیں کرتے بھاگتے ہیں۔

حُسام كلون الملح صاف حديده — جراز كأقطاع الغدير المنعّت
تراها كأذناب الحسيل صوادراً — وقد نهلت من الدماء وعلّت

۲۷ویں شعر میں اپنے باپ کے قاتل حرام بن جابر کو قتل کرنے کے واقعہ کا ذکر کرتا ہے اور سلامان بن مفرج نے اس کے ساتھ جو زیادتی کی تھی اس کے انتقام لینے کی طرف اشارہ کرتا ہے[1]۔ چنانچہ کہتا ہے کہ رمی جمرہ کے قریب لبیک کہنے والے حاجیوں کے بیچوں بیچ ہم نے احرام باندھے ہوئے ایک شخص کو دوسرے محرم کے بدلے میں قتل کر دیا (یعنی اپنے باپ کے بدلے میں کہ اس کو بھی حالت احرام میں مار گیا تھا) اور سلامان بن مفرج نے ہمارے ساتھ جو زیادتی کی تھی اس کا بھی بھرپور بدلہ ہم نے لے لیا اور انھیں اس زیادتی کا مزہ چکھا دیا۔

قتلنا قتيلا مهديا بملبّد — جمار منى وسط الحجيج المصوّت
جزينا سلامان بن مفرج قرضها — بما قدمت أيديهم وأذلّت

۱۔ تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کے بعد کہتا ہے کہ میں موت سے نہیں ڈرتا موت تو آنی ہی ہے پھر اگر میں مرگیا تو کس کو میرا غم ہوگا۔ میرا کون ہے جو میرے لئے آنسو بہائے گا آنسو بہانا تو در کنار اس دنیا میں تو میرا اپنا کوئی ایسا بھی نہیں کہ اگر بیمار پڑ جاؤں تو گھڑی بھر کے لئے عیادت ہی کو آجائے۔ میرا اس دنیا میں کوئی نہیں۔ سب نے مجھے چھوڑ دیا نہ خالائیں نہ چچیاں نہ کنبہ نہ پریوار، میرا سب کچھ صرف میں ہوں اور میری تگ ودو۔ اور میرے یہ دونوں پاؤں جن کی بدولت میں جان لیوا خطرات سے بچ نکلتا ہوں۔

إذا ما اتتنی میتتی لم ابالہا ولم تذر خالاتی الدموع وعمتی

الا لا تعدنی ان تشکیت خُلتی شفانی باعلی ذی البریقین عدوتی

ان سب باتوں اور اپنی تندخوئی اور سخت کوشی کے باوجود میں بڑا اصلح جو، دوست نواز اور صاحب مروت آدمی ہوں۔ جو مجھ سے ملنا چاہتا ہے میں اس سے بڑھ کر ملتا ہوں اور پورا اعتماد اور بھروسہ دیتا ہوں اور جو مجھ سے دور رہنا چاہے مجھ سے تعلقات نہ قائم کرنا چاہے اس کے پاس بھی نہیں پھٹکتا۔ اور یہیں پر شنفری کا یہ قصیدہ ختم ہو جاتا ہے۔

وانی لحلو إن اریدت حلاوتی ومر اذا النفس العزوف استمرت

ابی لما آبی سریع مباعتی إلی کل نفس تنتحی فی مسرتی

یہ تھا شنفری کا وہ قصیدہ جس میں اس نے غم دوراں کے ساتھ غم جاناں کی لذت اندوزیوں کی حکایت اور اپنی بیکسی ولاچارگی پر شکایت کرنے کے بجائے، بہادرانہ اپنے بل بوتے پر، ان سے نبرد آزما ہونے کا نقشہ کھینچا ہے۔ چنانچہ اس کے قصیدہ میں صحرا کے آغوش میں پلے ایک بے فکرے بدوی نوجوان کے شب و روز کی تصویر ملتی ہے تو دوسری طرف ایک عاشق کا دھڑکتا دل اور ایک محبوبۂ دلنواز کا جیتا جاگتا پیکر بھی۔ کیونکہ یہ نوجوان صرف تلوار کے ہی دھنی نہ تھے بلکہ اس کے سینہ میں ایک دھڑکتا دل بھی تھا جس میں محبت جب اپنی جوت جگاتی تھی تو اس کی شعاعیں غزل کے ان لافانی اشعار میں ڈھل جاتی تھیں جنھیں دنیا پڑھ کر آج بھی جھوم جھوم اٹھتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شنفری کا قصیدہ لامیۃ العرب

شنفری کا دوسرا مشہور قصیدہ وہ ہے جو عربی تاریخ ادب میں لامیۃ العرب کے نام سے موسوم ہے۔ اس قصیدہ میں باتفاق رواۃ ۶۸ شعر ہیں[1]۔ اس قصیدہ میں شنفری نے نہ صرف اپنی بلکہ اپنے جیسے تمام صعالیک الشعرا کی زندگی کا حقیقی نقشہ، بڑے اچھوتے انداز سے کھینچا ہے۔ ایک بے گھر، بے در، بے یار وغمگسار، مگر غیور خود دار، اور بہادر بدوی، کس طرح اپنی زندگی صحراؤں، بیابانوں میں درندوں اور جنگلی جانوروں کے درمیان گزارتا ہے۔ بھوک پیاس اور گرمی کی شدت، راتوں کی ہوش ربا وحشت اور تاریکی، صحرا کی ہولناکی اور اس کی اتھاہ پہنائیوں میں، کس طرح صرف اپنی اونٹنی کے سہارے ایک منزل موہوم کی طرف چلتا رہتا ہے کہ شاید اسے کچھ مال غنیمت ہاتھ آجائے جس سے زندگی کے ڈھکیلنے کے لئے کچھ سہارا میسر آجائے۔ اور اس طرح زندگی صرف اپنے سہارے سے بغیر کسی کا احسان لئے، بغیر دست سوال دراز کئے، بیت جائے کہ صعلوک کے لئے کسی کے سامنے دست سوال پھیلانا ننگ ہے، چاہے اسے اس پیٹ کی خاطر اپنی جان ہی کیوں نہ دینی پڑے، کیونکہ ان سر پھروں کا نظریہ تھا کہ

ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی

"اور کبھی جان" "اور کبھی تسلیم جان" کے اس پاٹ کے بیچ میں آکر عام طور سے یہ لوگ ہمیشہ کے لئے اپنی زندگی سے بہادرانہ ہاتھ دھو بیٹھتے تھے۔

شنفری کا یہ قصیدہ محض ان آزاد منش سر پھرے نوجوانوں کی داستان حیات اور نظریۂ موت وزیست ہی نہیں ہے بلکہ دور جاہلی کے شاعرانہ کلام کا بہترین نمونہ، اور ایک بدوی نوجوان کی زندگی کا سچا مرقع بھی ہے۔ دور جاہلی میں بہت سے شعراء نے ردیف لام میں طویل قصیدے

۱۔ خزانۃ الادب ولب لباب لسان العرب۔ عبدالقادر بن عمر البغدادی، ج ۲ ص ۱۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہے ہیں جن میں سب سے مشہور امرؤ القیس کا معلقہ ہے لیکن شنفری کے اس قصیدہ کی مقبولیت کا اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ صرف اسی کو ہی "لامیۃ العرب" کا خطاب دیا گیا۔ یہ شرف کسی اور کے قصیدے کو حاصل نہ ہوا۔ اس کی شہرت اور حُسنِ قبول کی وجہ سے اس کی مختلف شرحیں لکھی گئی ہیں۔ اور اب تک اہلِ ذوق اسے فردوس گوش بنائے ہوئے ہیں[۱]۔ یہ قصیدہ اپنے معانی، اسلوب نگارش اور سلاست و روانی میں ایسی امتیازی شان کا حامل ہے کہ بعد میں آنے والے شعرا نے بھی اس بحر اور اس ردیف و قافیہ میں اپنی جولانی طبع کے دکھانے کی کوشش کی، چنانچہ شنفری سے تقریباً ۶۱۷ سال بعد طغرائی نے اسی بحر اور اسی انداز میں ایک قصیدہ کہا جس میں بڑی حد تک زبان پر قدرت، اسلوبِ بیان کی ندرت اور سلاست و روانی میں اپنے جوہر دکھلائے ہیں۔ چنانچہ اس کے قصیدہ کو بھی حسنِ قبول حاصل ہوا اور شنفری کے "لامیۃ العرب" کے مقابلہ میں اسے "لامیۃ العجم" کا خطاب ملا۔ طغرائی کے اس لامیہ قصیدہ کا مطلع ہے:

اصالۃ الرای صانتنی عن الخطل ۔۔۔ وحیلۃ الفضل زانتنی لدی العطل

طغرائی کا یہ قصیدہ درحقیقت شہر آشوب ہے، جس میں اس نے اپنے زمانہ کے بغداد کے حالات، لوگوں کی بے وفائی، باکمال شخصیتوں کی بے قدری، ہمتوں اور عزائم کی پستی اور سیاسی افراتفری کا ذکر کیا ہے۔ اسی ضمن میں حکمت و فلسفہ، وصف اور دوسرے اصناف سخن بھی آگئے ہیں۔ اور عربی زبان و ادب کے لئے، نسبتاً زوال پذیر زمانہ میں، اس کا یہ قصیدہ سلاست و روانی، الفاظ معانی، اور اثر اندازی و گیرائی کے لحاظ سے مثالی اور قابل تقلید نمونہ سمجھا جاتا ہے۔

۱۔ لامیۃ العرب کی شرحوں میں مشہور یہ ہیں (۱) شرح لامیۃ العرب لمحمود بن زمخشری م ۵۳۸ھ (۲) نہایۃ الارب فی شرح لامیۃ العرب لعطاء الدین احمد بن عطاء اللہ بن احمد المصری ثم المکی (۳) "تفریج الکرب عن قلوب اہل الأرب فی معرفۃ لامیۃ العرب" لمحمد بن قاسم بن زاکور المغربی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شنفری نے اپنے اس قصیدہ کو اپنے سابقہ قصیدہ اور عرب شعراء کی ریت کے خلاف بغیر تشبیب کے مطلب کی بات سے شروع کیا ہے ۔ یہ انداز بیان بلاوجہ نہیں ہے ۔ شنفری کا باپ جیسا کہ معلوم ہے ، بچپنے میں مار ڈالا گیا تھا ۔ ماں اسے اور اس کے چھوٹے بھائی کو لے کر اپنے میکہ میں، جو راویوں کے کہنے کے مطابق ، قبیلہ فہم و عدوان میں تھا ، رہتی تھی ۔ یہاں نانہال والوں نے شنفری سے اچھا سلوک نہیں کیا ہر وقت غربت و افلاس ، یتیمی و بیچارگی کے طعنے دیتے تھے ۔ اس سے بے اعتنائی برتتے تھے ۔ اسی صورت حال نے اس کے دل پر بہت برا اثر ڈالا ۔ اسے محسوس ہوا کہ اس دنیا میں اس کا اپنا کوئی نہیں ، کسی کو اس کا درد نہیں ، اس لئے اس نے سوچا کہ ایسی دنیا اور ایسے ماحول میں رہنے سے کیا فائدہ ؟ ایسے خود غرض اور بے حس لوگوں سے الگ ہو جانا ہی غیرت و خودداری کا تقاضا ہے ۔ پھر جب بقول اس کے

لعمرك ما في الارض ضيق على امرئ　　سرى راغبا أو راهبا وهو يعقل

یعنی　　جائے خدا تنگ نیست پائے مرا لنگ نیست

اور اگر ان سب رشتوں ناطوں کو توڑ کر نکل جائے تو کوئی پوچھنے والا بھی نہیں کہ کہاں جاتے ہو اور کیوں جاتے ہو "من یسأل الصعلوك این مذاهبه" تو پھر یہ ذلت کی زندگی کیوں گزاری جائے اور اپنی خودداری و عزت نفس کو کیوں مجروح کیا جائے ؟ چنانچہ اس نے طے کر لیا کہ اپنے نانہال کو خیرباد کہہ کر اگر ممکن ہوا تو اپنی قوم یعنی ازد میں چلا جاؤں گا ورنہ خدا کی لمبی چوڑی زمین کے کسی حصہ میں قسمت آزمائی کے لئے نکل کھڑا ہوں گا ۔ چنانچہ بغیر کسی تمہید یا تشبیب کے اپنے نانہال والوں کو قصیدہ کے مطلع میں مخاطب کر کے کہتا ہے :

أقیموا بنی امی صدور مطیکم　　فإنی إلى قوم سواكم لأمیل

یعنی اے میری نانہال والو ذرا کان کھول کر سن لو تم نے میری بڑی بے عزتی کی ہے ۔ مجھ سے بہت بے اعتنائی برتی ہے اس لئے اب میں تمہیں ہمیشہ کے لئے خیرباد کہہ کے دوسرے لوگوں کے پاس جا رہا ہوں کیونکہ اب تمہارے مقابلہ میں ان کی طرف اپنا رجحان طبع زیادہ پاتا ہوں ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ع بے رحم زمانے کو اب چھوڑ رہے ہیں ہم
بے درد عزیزوں سے منہ موڑ رہے ہیں ہم
جو آس کہ تھی، وہ بھی اب توڑ رہے ہیں ہم

دوسرے شعر میں کہتا ہے کہ پہلے کے مقابلہ میں اب آسانی سے سفر کرنے کے وسائل بہت مہیا ہو گئے ہیں۔ سفر کی شدید ضرورت کے ساتھ ڈھلی ہوئی چاندنی رات ہے اور ایسے خوشگوار موسم میں سفر کرنے کے لئے سواریاں بھی کس لی گئی ہیں یعنی دوسرے لوگ بھی پا بہ رکاب ہیں۔ قافلہ کوچ کرنے والا ہے۔ اس سے بہتر موقع کب ملے گا۔

فقد حمت الحاجات والليل مقمر وشدت لطيات مطايات وأرحل

اس کے بعد کہتا ہے کہ زمین میں اس شریف آدمی کے لئے بڑی گنجائش ہے جو بے عزتی اور جور وجفا کا شکار ہو اور اپنی عزتِ نفس اور خودداری کو عزیز رکھتا ہو۔

وفی الارض منأى للكريم عن الأذى وفيها لمن خاف القلى المتحول

مگر شنفری اپنے ننیہال والوں کو چھوڑ کر، ان سے کٹ کر، جڑتا کس سے ہے؟ اپنے قبیلہ ازد سے؟ نہیں، وہ کہتا ہے کہ ان آبادیوں کو چھوڑ کر، ان انسانوں سے منہ موڑ کر، اور تم لوگوں سے قطع تعلق کر کے، میں نے جنگلی جانوروں کو اپنا گھرانا بنالیا ہے۔ کیونکہ یہ انسانوں کے مقابلہ میں زیادہ قابل بھروسہ ہیں، وہ دوسروں کے راز افشا نہیں کرتے اگر ان کا اپنا کوئی جرم کر بیٹھے تو اسے دشمن کے حوالہ نہیں کر دیتے کہ اس کا جو جی چاہے ان کے ساتھ کرے۔ اور یہ قابل اعتماد افراد خاندان کون ہیں؟ ایک "سید عملس" بڑا خوفناک بھیڑیا دوسرا "ارقط زہلول" یعنی دھاری دار چکنا چیتا اور تیسرا بالوں والا ابدلبودار بجو "عرفاء جیئل" یہ ہیں میرے دوست اور افراد خاندان۔ اور میں تم کو چھوڑ کر انھیں کے پاس جا رہا ہوں کہ اب یہی میرے گھر والے اور میرے اپنے ہیں۔

ولی دونکم أهلون سِيدٌ عَمَلَّسٌ وأرقط زهلول وعرفاء جيئل
هم الرهط لا مستودع السر شائع لديهم ولا الجاني بما جر يخذل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کے بعد اپنی قناعت پسندی سیر چشمی اور باوجود فقر و فاقہ، غربت و افلاس کے اپنی عزت نفس و خودداری کو برقرار رکھنے کی خواہش کا ذکر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں کتنا ہی بھوکا کیوں نہ ہوں اگر دسترخوان پر بیٹھتا ہوں تو لوگوں سے پہلے خوان پر ہاتھ نہیں مارنے لگتا بلکہ جب لوگ کھانا شروع کر چکتے ہیں تب میں ہاتھ بڑھاتا ہوں۔ اسی طرح اپنی یہ عادت بتاتا ہے کہ اگر کوئی شخص بھلائی کے بدلے بھلائی اور احسان کے بدلے احسان نہیں کرتا اور اس کے قریب رہنے میں کوئی دوسرا فائدہ بھی نہ ہو تو ایسے شخص سے میں بلا تامل ہمیشہ کے لئے الگ ہو جاتا ہوں اور ایسے لوگوں کے بجائے اپنے تین جگری دوستوں پر بھروسہ کرتا ہوں۔ وہ کون ہیں؟ ایک بیباک و جری دل، دوسرے سفید چمچاتی تیز تلوار اور تیسرے پیلے رنگ کی ایک لمبی کمان۔

ثلاثة أصحاب فؤاد مشيع وأبيض إصليت وصفراء عيطل

چودھویں شعر سے اپنی تعریف شروع کرتا ہے جس میں اپنی صفات گنا تا ہے جو درحقیقت ایک بدوی نوجوان کی امتیازی خصوصیات ہیں۔ سب سے پہلے اپنی عالی نسبی کا دعویٰ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں شریف خاندان کا فرد ہوں چرواہا نہیں ہوں جو کمزور، سوکھی اور مریل اونٹنیوں کو رات گئے تک چراتا رہے، نہ میں بزدل، بیوقوف اور چڑیا کی طرح ڈرپوک ہوں اور نہ ہی بے وفا اور عیش کوش کہ دوستوں کو چھوڑ کر عورتوں سے دل لگی میں وقت گنواتا پھروں، میں بڑا مخیر اور بڑا فصیح ہوں اور اتنا بہادر اور نڈر کہ ہر وقت ہتھیار بند مقابلہ کے لئے تیار رہتا ہوں اور اتنا غیور کہ مدتوں بھوک و پیاس سے تڑپتا ہوں یہاں تک بھوک کا احساس بھی ختم ہو جائے پھر بھی کسی کے آگے دست سوال دراز نہیں کرتا۔ کسی کا احسان نہیں لیتا کوئی برائی نہیں کرتا اور اگر کبھی کسی برائی میں پھنس جاتا ہوں تو فوراً اس سے اپنا دامن صاف کر لیتا ہوں۔ اپنا رزق اپنے دست و بازو سے حاصل کرنے کے لئے اس بھیڑیئے کی مانند نکل کھڑا ہوتا ہوں جو مدتوں بھوکا پیاسا رہا ہو اور صحرا میں بیتابی سے چیختا چلاتا ہو اور پھر بھی کچھ نہ ملے تو قناعت کے ساتھ نئے سرے سے اپنی دھن میں لگ جاتا ہو۔ یہ سلسلہ ۱۴ ویں شعر سے شروع کرتا ہے اور ۲۶ ویں شعر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تک جاری رکھتا ہے۔ کہتا ہے:

۱۴۔ ولست بمهیاف یعشی سوامه مجدعة سقبانها وهی بُهّل

۲۶۔ واغدو إلى القوت الزهید كما غدا ازل تهاداه التنائف اطحل

۲۷ ویں شعر سے اس بھوکے پیاسے بھیڑیئے اور اس کے ساتھیوں کی حالت بیان کرنے کے بعد پھر اپنی چابکدستی اور کاموں کو جلد از جلد تکمیل کرنے کی مثال "قطا" چڑیا سے دیتا ہے جو کسی جگہ پانی پینے کے لئے آتی ہے تو کس طرح چوکنی ہو کر چاروں طرف دیکھ کر اور جلدی سے اپنی پیاس بجھا کر اپنی منزل کی طرف روانہ ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ۴۱ ویں شعر میں قطا کے پانی پی کر واپس جانے کا نقشہ یوں کھینچتا ہے کہ وہ پانی پی کر لوٹتے ہی اس تیزی سے اڑ گئی جس طرح کوئی شکست خوردہ فوج گھبراہٹ اور پریشانی میں معرکہ کارزار سے سراسیمہ ہو کر بھاگ کھڑی ہوتی ہے۔

فعبت غشاشا ثم مرّت كأنها مع الصبح ركب من احاظة مجفل

۴۲ ویں اور ۴۳ ویں شعر میں بڑے دکھ درد کے ساتھ کہتا ہے کہ زندگی میں مجھے کبھی سکھ چین نصیب نہ ہوا، سدا مصیبتیں اور پریشانیاں برداشت کرتے گزر گئی، زمانے کے مصائب نے کمر دوہری کردی ہے۔ میری پسلیوں کا گوشت گل چکا ہے اور صرف ابھری ہوئی ٹیڑھی ہڈیاں رہ گئی ہیں۔ ہاتھ سوکھ کر اکڑ گئے ہیں مگر میں اب ان مصیبتوں اور پریشانیوں کا اتنا عادی ہو چکا ہوں کہ زمین پر بغیر بستر کے جب لیٹتا ہوں اور تکیہ کی جگہ اپنے سوکھے ہاتھ رکھتا ہوں تو مجھے مطلق تکلیف نہیں ہوتی حالانکہ کندھا اور مڑی ہوئی پسلیاں محض ہڈی رہ جانے کی وجہ سے زمین سے نہیں لگ پاتیں۔

وآلف وجه الارض عند افتراشها بأهدأ تنبیه سناسن قحّل

وأعدل منحوضا كأن فصوصه كعاب دحاها لاعب فهی مثّل

اس کے بعد کہتا ہے کہ مجھے اس حالت کا کوئی غم نہیں کیونکہ اس کی وجہ سے میری بہادری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور جرأت میں فرق نہیں آیا۔ میں نے بڑے بڑے معرکے سر کئے ہیں۔ جنگ میں کشتوں کے پشتے لگا دئے ہیں۔ یہ زندگی ہے اس میں ہر طرح کے دن آتے ہیں کبھی غربت و افلاس ہے تو کبھی فراوانی و عیش و عشرت۔ پھر آدمی کیوں اس سے گھبرائے کیوں روئے دھوئے۔ اسے تو ہمیشہ رواں دواں رہنا چاہیئے کہ یہی زندگی ہے۔ اسی لئے جب غربت و افلاس کا دور ہوتا ہے تو میں روتا دھوتا نہیں اور جب فارغ البالی میسر ہوتی ہے تو اکڑ کر تکبر سے نہیں چلتا۔

واعدم احیانا و أغنی و أنما　　　ینال الغنی ذو البعدۃ المتبذل

فلاجزع من خلۃ متکشف　　　ولامرح تحت الغنی أتخیل

۵۳ ویں شعر سے اپنی بعض ان مہموں کا ذکر کرتا ہے جو اس نے شدید برفیلی راتوں میں اور جھلسا دینے والے سخت گرمی کے دنوں میں سر کی تھیں۔ چنانچہ کہتا ہے کہ میں نے لبا اوقات شدید اور تکلیف دہ موسموں میں نہ معلوم کتنے چٹیل میدان صرف دوڑ کر طے کئے ہیں جہاں سورج کی تپش اور لُو سے بچنے کے لئے سوائے میرے گھنے اور چپکے ہوئے بالوں کی لٹوں کے اور کوئی چیز میسر نہ تھی تو میں انھیں لٹوں کو اپنے منہ پر ڈال لیتا تھا تاکہ لُو کی لپیٹ سے چہرے کو بچا سکوں اور اپنی منزل کی طرف بڑھتا رہتا تھا۔ پہاڑوں اور گھاٹیوں کو طے کرتا اور بچتا بچاتا اپنے غنیم پر حملہ کرتا میری اس طویل صحرا نوردی اور بادیہ پیمائی کا یہ اثر ہے کہ جنگل کے جانور اور خاص طور سے جنگلی پہاڑی بکریاں میری صورت سے اتنی مانوس ہو گئی ہیں کہ میرے ارد گرد بلا خوف وخطر چرتی پھرتی ہیں۔ اور جب شام ہو جاتی ہے تو بلا ڈرے اور گھبرائے میرے چاروں طرف اس طرح لپٹ جاتی ہیں گویا کہ میں خود ایک بڑی سینگوں والا پہاڑی بکرا ہوں۔

یرکدن بالآصال حولی کأننی　　　من العصم ادفی ینتحی الکیح أعقل

اور یہیں پہ اس کا یہ مشہور قصیدہ "لامیۃ العرب" ختم ہو جاتا ہے۔

یہ تھا شنفری کا لامیۃ العرب قصیدہ جس میں اس نے اپنی زندگی اپنی بود و باش اور اپنے خیالات و افکار کا ایسا واضح اور صاف نقشہ کھینچا ہے کہ صرف اسی کی نہیں بلکہ عرب کے ان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سارے صعالیک کی زندگی ہمارے سامنے کھل کر آجاتی ہے۔

اگر ہم اس قصیدہ پر اس کے انداز بیان اور الفاظ و معانی کے اعتبار سے ناقدانہ نظر ڈالیں تو ہمیں نظر آئے گا کہ اس میں دور جاہلی کی شعر و شاعری کی خصوصیات پوری طرح پائی جاتی ہیں۔ اس میں الفاظ کا وہی گمبھیر پن، ثقل اور ندرت ہے معانی میں وہی وضاحت اور سطحیت ہے، اور فخر و حماسہ میں وہی شان و شکوہ اور غزل و وصف نگاری میں وہی سادگی لیکن وہی بانکپن ہے جو شعرائے جاہلیت کا طرۂ امتیاز ہے۔ مگر ان سب باتوں کے باوجود بعض نقادوں کا خیال ہے کہ لامیۃ العرب درحقیقت شنفری کا کلام نہیں ہے بلکہ عہد عباسی میں خلف الاحمر نے جس کا نام ابو محرز تھا اس قصیدہ کو کہا تھا اور شنفری کے نام سے منسوب کر دیا تھا۔ ان نقادوں کی دلیل یہ ہے کہ اس قصیدہ کا قدماء میں سے کسی نے بھی تذکرہ نہیں کیا ہے اور اگر کسی نے تذکرہ کیا ہے تو ضمناً اور اس شبہ کے ساتھ کہ یہ قصیدہ شنفری کی طرف منسوب ہے۔ شاید اس کا اپنا کہا ہوا نہیں، جیسا کہ ابو علی القالی نے الامالی میں ذکر کیا ہے[1]۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ قدماء میں سے اکثر نقادوں اور تذکرہ نگاروں نے شنفری کے اس قصیدہ کا ذکر نہیں کیا ہے۔ چنانچہ ابو الفرج الاصفہانی نے اپنی کتاب الاغانی میں یا ابن قتیبہ نے کتاب الشعر والشعراء میں، یا جاحظ نے کتاب البیان والتبیین میں یا عبد السلام الجمحی نے طبقات فحول الشعراء میں اس قصیدہ کی کوئی نشاندہی نہیں کی ہے[2]۔ مگر بعد میں اس قصیدہ کا بڑے دھوم دھام سے شہرہ ہوتا ہے اور زبان زد خاص و عام ہو جاتا ہے اور اسی وجہ سے اس کی صحت پر شبہ پیدا ہوتا ہے۔

۱۔ کتاب الامالی لابی علی القالی ج ۱ ص ۷۰، منشورات المکتب الاسلامی۔ مکۃ المکرمۃ

۲۔ ابن قتیبہ نے صرف اس کا وہ شعر نقل کیا ہے جو اس نے گرفتاری کے بعد شعر کہنے کی فرمائش پر کہا تھا۔ شعر پہلے گزر چکا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ صحیح ہے کہ قدماء میں سے اکثر نے شنفری کے اس قصیدہ کا ذکر نہیں کیا ہے اور آخر میں خلف الاحمر کی روایت ہی سے اس کا شہرہ ہوتا ہے۔ مگر اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس دور میں خلف الاحمر ہی وہ راوی ہے جس سے نہ صرف اصمعی جیسا عالم اور جید ناقد بھی روایت کرتا تھا بلکہ بصرہ کے تمام رواۃ بھی اس کی روایت کے رہین منت تھے[1]۔ کیونکہ اس کی روایت کی بنیاد داخلی شہادت پر ہوتی تھی[2] پھر یہ روایت بھی بہت وزنی نہیں ہے کہ اس قصیدہ کی روایت پہلی دفعہ عہد عباسی میں خلف الاحمر نے کی ہے کیونکہ شارح لامیۃ العرب علامہ احمد بن عطار اللہ المصری نے اپنے مقدمہ میں لکھا ہے کہ "یہ قصیدہ عجیب وغریب اور نادر تحفہ ہے۔ امیر المومنین حضرت عمر بن الخطابؓ لوگوں کو اس کی ترغیب دیتے تھے اور اس کے پڑھنے میں سبقت لے جانے پر ابھارتے تھے اور اس کی فضیلت و برتری بتاتے ہوئے لوگوں سے کہتے تھے کہ اپنے بچوں کو شنفری کا قصیدہ پڑھاؤ اس لئے کہ یہ انہیں اخلاق فاضلہ کی تعلیم دیتا ہے"۔ اس بیان کا مطلب یہ ہے کہ عہد خلفائے راشدین تک اس قصیدہ کا اتنا چرچا تھا کہ حضرت عمرؓ جیسے جلالی مزاج کے خلیفہ جنھیں شاید شعر و شاعری سے اتنا لگاؤ بھی نہ تھا محض اس قصیدہ کی اخلاقی افادیت کی وجہ سے بچوں کو پڑھانے کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔ اس کے بعد علامہ عطار اللہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ "کہا گیا ہے کہ عبد الملک بن قریب الاصمعی نے جن لوگوں سے اس قصیدہ منجملہ دیوان شنفری کے روایتاً و درایتاً اخذ کیا ہے ان میں امام شافعیؒ بھی شامل ہیں[3]"۔ حضرت امام شافعیؒ جیسے جلیل القدر امام اور تمام ائمۂ مذاہب میں سب سے زیادہ شعر و ادب کا ذوق

۱۔ تاریخ آداب اللغۃ العربیۃ جرجی زیدان ج ۲۔

۲۔ دائرۃ المعارف الاسلامیہ۔

۳۔ مقدمہ شرح لامیۃ العرب لعطار المصری مطبوعہ مطبع محمد محمد مطر الوارق بالحمزاوی مصر۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رکھنے والے اور خود بھی ممتاز ادیب و شاعر، جب اس قصیدے کی روایت کرتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم اس پر شک کریں۔ اور یہیں سے یہ بات بھی کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ شنفری کے اس قصیدہ کی روایت اور شہرت صدر اسلام سے لے کر عہد عباسی تک روایۃً و درایۃً دونوں طریقوں سے مسلسل چلی آرہی تھی۔ یہ بات ضرور ہے کہ دیگر علوم کی طرح اس قصیدہ کی روایت بھی سینہ بسینہ چلتی رہی اور آخرکار عہد عباسی میں جب تدوین و تصنیف کا سلسلہ شروع ہوا تو اسے بھی مدون کیا گیا اور خلف الاحمر کی روایت کا سہارا لیا گیا۔ خلف الاحمر بلاشبہ وضع اشعار میں بڑا بدنام ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ جو کلام بھی اس کی روایت سے آیا ہو وہ ضرور اس کی ایجاد ہو۔ اس خیال کو اس حقیقت سے بھی تقویت ملتی ہے کہ موجودہ زمانے میں ڈاکٹر طٰہٰ حسین مرحوم شعر جاہلی کے سب سے بڑے نقاد مانے گئے ہیں انھوں نے شعرائے جاہلیت کے کلام کا غائر مطالعہ کر کے نہ صرف ان اشعار کی نشاندہی کر دی ہے جو ان کے خیال میں موضوع ہیں بلکہ بعض جاہلی شعراء کے وجود پر بھی شک و شبہ کا اظہار کیا ہے[۱] اور اپنے خیالات و نظریات کو عقلی اور نقلی دلیلوں سے ثابت کیا ہے مگر میری نظر سے ڈاکٹر طٰہٰ حسین کی کوئی تحریر ابھی تک نہیں گزری جس میں مرحوم نے شنفری کے اس قصیدہ پر شک و شبہ کا اظہار کیا ہو۔ حالانکہ مرحوم نے خلف الاحمر اور حماد الراویہ کے وضع کردہ اشعار اور ان دونوں کی وضع کرنے کی عادت اور اس کے اسباب پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اگر اس قصیدہ کو محض اس شبہ کی وجہ سے منحول قرار دیا جائے کہ اس کی روایت خلف الاحمر نے کی ہے تو پھر بقول ڈاکٹر طٰہٰ حسین مرحوم جاہلی شاعری کا اکثر حصہ اسی شبہ کی وجہ سے منحول قرار پاکر ہمارے ادبی سرمایہ سے خارج ہو جائے گا۔ حالانکہ ان کے اس خیال کو نقادوں اور علماء کی ایک معتدبہ جماعت نے اسی وقت بہ دلائل رد کر دیا تھا، اور آج تک

۱۔ حدیث الاربعاء اول ۔ ڈاکٹر طٰہٰ حسین اور ان کی کتاب "فی الادب الجاہلی"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہم اس سرمایہ کو حرزِ جان بنائے ہوئے ہیں ۔ جب صورتِ حال یہ ہے تو پھر شنفری کے اس قصیدہ کو بھی ہم بغیر کسی روایتی یا درایتی دلیل کے منحول کیسے مان لیں ؟

شنفری کا وہ قصیدہ جس کا مطلع ہے : "الا أم عمرو اجمعت فاستقلت" متفقہ طور سے شنفری کا کہا ہوا قصیدہ تسلیم کیا جاتا ہے ۔ اس قصیدہ کا اسلوب بیان، الفاظ کا انتخاب، معانی و مطالب کا انداز اور عام شعری فضا بالکل ایسی ہی ہے جیسی کہ شنفری کے لامیۃ العرب کی ۔ اور بعض جگہ خیالات و افکار اور اندازِ بیان میں بھی پوری ہم آہنگی اس طرح پائی جاتی ہے کہ توارد کا سماں بندھ گیا ہے ۔ اسی لیے یہ بات یقین سے نہیں کہی جا سکتی کہ شنفری کا یہ لامیہ موضوع اور اس کی طرف صرف منسوب ہے اس کا اپنا کہا ہوا نہیں ۔ پھر اگر ہم یہ مان بھی لیں کہ اس کا کچھ حصہ موضوع ہے تو اس سے زبان و ادب پر کیا اثر پڑتا ہے اور اس صورت میں خاص طور سے کہ اس مخصوص زمانے کی جو خصوصیات اور امتیازی شان ہمیں بتائی گئی ہے ان پر جب وہ پورا بھی اترتا ہو ۔ رہ گیا اس کے تاریخی تسلسل کی صحت بطریق ثقہ رواۃ تو یہ کام مورخ اور سیرت نگار کا ہے ۔ ادب کے طالب علم کو اس میں پڑنے کی ضرورت نہیں ۔

حیات مولانا عبدالحیؒ

مؤلفہ جناب مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحب

سابق ناظم ندوۃ العلماء جناب مولانا حکیم عبدالحی حسنی صاحبؒ کے سوانح حیات ۔ علمی و دینی کمالات و خدمات کا تذکرہ اور ان کی عربی و اردو تصانیف پر مفصل تبصرہ ۔ آخر میں مولانا کے فرزندِ اکبر جناب مولانا حکیم سید عبدالعلی رحمۃ اللہ علیہ کے مختصر حالات بیان کئے گئے ہیں ۔

کتابت و طباعت معیاری، تقطیع متوسط ۲۶×۲۰/۸ قیمت ۱۲/۵۰

ملنے کا پتہ : ندوۃ المصنفین، اردو بازار، جامع مسجد دہلی ۶

© rasailojaraid.com